© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواروی

اسلام میں انسانی زندگی کا احترام

اخلاقی اصلاحات کی ضرورت ہمیشہ معاشرے کو رہی ہے اور سچ پوچھیے تو تمام اصلاحی قوانین اخلاقی احساس کے بغیر بے اثر ہیں۔ زندگی کے تمام فسادات کی تہ میں ایک ہی محرک کارفرما ہے اور وہ ہے اخلاقی حس کی کمی یا فقدان۔ قانونی داروگیر کا خیال ہر جگہ انسان پر مسلّط نہیں رہ سکتا۔ ہزاروں مواقع ایسے ہوتے ہیں جہاں نہ کوئی دیکھنے والا ہوتا ہے نہ گرفت یا ملامت کرنے والا۔ ہاں غلط روی سے اگر کوئی شے بچا سکتی ہے تو وہ صرف وہ اخلاقی حس ہے جو کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی وہ حس کسی شیطانی جذبے سے مغلوب ہو جائے۔

اگر کوئی انسان خدا کو نہ مانتا ہو تب بھی وہ اپنی ذات کو تو ضرور ہی مانتا ہے۔ بس اسے صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ میں کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے میں خود اپنی نگاہوں میں گر جاؤں یا اگر یہی حرکت کوئی میرے ساتھ کرے تو مجھے خود گوارا نہ ہو۔ یہ اخلاقی حس کو بیدار رکھنے کی طرف پہلا قدم ہے۔

اس سے بڑا اور اونچا درجہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان ہو جو صرف ہمارے اعمال ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ ہمارے سینوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ ایسے اہلِ ایمان کی اخلاقی بلندیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ان میں بھی درجے ہیں۔ کچھ لوگ خدائی گرفت کے خوف سے اخلاقی برائیوں سے بچتے ہیں، یا انعامِ الٰہی کی طلب میں اخلاق کو درست رکھتے ہیں اور کچھ بندگانِ خدا ایسے بھی ہوتے ہیں جو عذاب و ثواب دونوں سے بلند ہوتے ہیں اور فقط رضائے الٰہی ان کے پیشِ نظر ہوتی ہے یا طاعتِ الٰہی کا جذبہ ان کے اخلاق کا محافظ ہوتا ہے۔

ایسے پاک جذبے کو دل نشین اور دلگیر کرنے کے لیے محض چند اصلاحی قوانین یا چند سخت تعزیرات کافی نہیں ہوتیں۔ اس کے لیے بڑی زبردست انقلابی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ تربیت محض کتابیں پڑھا دینے سے پیدا نہیں ہوتی اس کے لیے سب سے پہلے مربیوں کو عملی نمونہ بننا ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا عملی نمونہ جو پوری تعلیم گاہ کو متاثر کرے۔ جو جتنے بڑے حلقے کا لیڈر، قائد اور امام ہے اسے اتنا ہی زیادہ عملی نمونہ بننے کی ضرورت ہے۔ محض ایک عمدہ بیان دے دینے یا زوردار خطبہ دے دینے سے کوئی اصلاح نہیں ہوتی۔ اصلاح صرف عمل دیکھنے سے ہوسکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اخلاقی جرائم میں بہت بڑا دخل معاشی بدحالی کو بھی ہے۔ جب انسان کی ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہوں تو وہ بہت سے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور سا ہو جاتا ہے۔ اور اس بے راہ روی کا ذمے دار پورا معاشرہ اور اس کا نظام ہے لیکن محض معاشی خوش حالی سے تمام اخلاقی قدریں بروئے کار نہیں آتیں۔ امریکہ دنیا کا سب سے زیادہ خوش حال ملک ہے لیکن اخلاقی جرائم میں بھی سب سے آگے ہے۔ چین اتنا زیادہ خوش حال ملک نہیں لیکن وہاں اخلاقی جرائم شاذ و نادر پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض معاشی خوش حالی کافی نہیں۔ معاشی توازن اور معاشی ہمواری معاشی خوش حالی سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر ہوسِ زر پر قابو نہ ہو اور قناعت کی روح غائب ہو جائے تو ہوس کو کسی مقام پر ٹھہراؤ نصیب نہیں ہوتا۔ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے اور دولت کی فراوانی تعیش اور تعیش کی بدعنوانیاں بن کر جرائم کی شکل ضرور اختیار کر لیتی ہیں۔ اگر ضروریات پوری نہ ہوں جب بھی ارتکابِ جرائم ہوتا ہے اور اگر ضرورت سے بہت زیادہ دولت ہو جب بھی اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ پس سب سے پہلے تو معاشیات میں ایک توازن اور ہمواری پیدا کرنا چاہیے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ایسی ذہنی تربیت ہونی چاہیے کہ نہ کمی کا خوف دامنگیر ہو نہ زیادتی کی ہوس چٹکیاں لیتی رہے۔

اسی مقصد کی تکمیل کے لیے قرآن نے "انفاقِ عفو" کا اصول بتایا ہے۔ آج نہیں تو کل دنیا اسے سمجھ لے گی اور آخر کار اسی کی طرف دنیا کو آنا پڑے گا۔ ہمیں جلد سے جلد اسی نظام کی طرف عملاً متوجہ ہونا چاہیے ورنہ جرائم میں کوئی کمی نہ ہو سکے گی۔

ہمارے ملک میں جرائم کی کوئی کمی نہیں بلکہ روز افزوں ترقی ہے۔ ملاوٹ، گراں فروشی، احتکار، رشوت، فریب وغیرہ کو تو جانے دیجیے۔ ایک بڑا جرم جو عام ہو رہا ہے وہ ہے قتل کی واردات۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار برطانوی دورِ حکومت میں پورے ایک صوبے بہار میں ایک سال کے اندر بیس قتل ہو گئے تھے تو آسمان سر پر اٹھا لیا گیا تھا۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ اللہ اکبر! ایک سال میں بیس قتل؟ اور وہ بھی صرف ایک صوبے میں؟ ذرا اس سے اپنے ملک کا موازنہ کیجیے جہاں شاید ہر روز بیس قتل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتے ہیں۔ پھر قتل بھی کس بات پر؟ کرایہ مکان کے جھگڑے پر۔ چند گز زمین کو قبضے میں لینے کے لیے۔ چند آنے پیسے نہ ادا کرنے پر۔ معمولی معمولی جھگڑے پر۔ شادی یا رخصتی نہ ہونے پر۔ ہوسِ عشق کی مخاصمت پر۔ کسی کی دولت کو قبضے میں لانے پر۔ میاں بیوی کی تُو تُو مَیں مَیں پر۔ بدچلنی کے شبہے پر۔ کوئی راز افشا ہونے کے خوف سے۔ ناکامی کے جذبے سے متاثر ہو کر۔ کسی معمولی بات کا انتقام لینے کی غرض سے۔ ادنیٰ ادنیٰ تکرار کے نتیجے میں کسی کی جمع پونجی چھین لینے کے لیے۔ غرض ایک دو نہیں، پچاسوں باتیں ہیں جو مفاہمت سے بڑی آسانی کے ساتھ طے ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر ابتدا ہی میں بیچ نہ ہو تو قصہ بڑھتے بڑھتے فوری اقدام قتل پر منتج ہو جاتا ہے۔ اور قتل بھی یوں کہ باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو قتل کر دیتا ہے۔ میاں بیوی کو اور بیوی میاں کو زہر دے دیتی ہے۔ بھائی بھائی کو گولی مار دیتا ہے۔ دوکاندار و خریدار ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے آپ کو ہی قتل کر کے جھگڑا پاک کر دیتے ہیں۔ امتحان میں فیل ہو گئے تو دریا میں کود کر ڈوب گئے۔ عشق میں ناکام ہوئے تو رسی کا پھندا لگا کر لٹک گئے۔ کوئی ناگوار بات ہوئی تو افیم یا خواب آور گولیاں کھا کر سو گئے کسی انتخاب میں ناکام ہوئے تو اپنی کن پٹی پر پستول رکھ کر لبلبی دبا دی اور ختم ہو گئے۔

ان تمام قسم کے واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں نہ دوسروں کی جان کی پروا ہے نہ اپنی جان کا احترام۔ حالانکہ دونوں خدا کی امانتیں ہیں اور دونوں واجب الاحترام ہیں اور ان کو ہم اپنی مرضی سے ٹھکانے لگانے کا حق نہیں رکھتے۔

اور سارے جرائم کی تو تلافی ہو سکتی ہے ـــ میرا مطلب یہ ہے کہ لیا ہوا مال، خواہ ڈاکہ ڈال کر چھینا گیا ہو، یا رشوت و فریب سے حاصل کیا گیا ہو یا گراں فروشی یا ملاوٹ سے کمایا گیا ہو، واپس ہو سکتا ہے ـــ لیکن گئی ہوئی جان کبھی واپس نہیں آ سکتی۔ اس لیے سب سے بڑا جرم قتلِ ناحق ہے۔ اولاً تو افراد کو قتل کی اجازت ہی نہیں۔ کیونکہ یہ سزا دینا حکومت کا کام ہے۔ دوسرے حکومت کو بھی ہر بات پر قتل کرنے کی اجازت نہیں اور وہ کسی کو موت کی سزا صرف دو صورتوں میں دے سکتی ہے:

الف - جبکہ کوئی قتلِ نفس کا مرتکب ہوا ہو اور خون بہا کے عوض یا بلا معاوضہ ورثا نے معاف نہ کیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب۔ کسی ایسے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا ہو جس کی سزا قتل ہو۔ مثلاً بغاوت۔ سبوتاژ، یا اس کی کوئی گہری سازش۔ مسلمان ہوتے ہوئے کسی رکن کی ادائیگی سے انکار۔ محرمات سے نکاح (یہ بھی دراصل ایک اسلامی رکن کا انکار ہے) خاص حالات میں زنا۔ ڈاکے زنی وغیرہ۔

قرآن نے اسے چند جامع لفظوں میں یوں بیان فرمایا ہے :

...... من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا .....

[جو کسی کو قتل کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا فساد فی الارض کا مرتکب ہوا تو وہ گویا سارے انسانوں کا قاتل ہے اور جو اس کو زندہ رکھتا ہے وہ گویا سارے انسانوں کی جان بچا لیتا ہے۔]

اس آیت میں جہاں قتل نفس کے لیے دو قسم کی ضرورت بتائی ہے وہاں اس اقدام سے حتی الامکان بچنے کے لیے انسانی خون کا احترام یوں قائم کیا ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت میں آدم ہے اور اس میں یہ صلاحیت پوشیدہ ہے کہ اس کی نسل، آدم کی نسل کی طرح پھیلے۔ پس ایک کی جان لینا گویا ایک پوری نسلِ انسانی کی جان ضائع کرنے کے مترادف ہے اور اس کی جان بچانے کا مطلب گویا پوری نسل آدم کی جانوں کی محافظت ہے۔

خدا کی نگاہ میں جان کی جو قدر و قیمت ہے اس کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے حالتِ اضطرار میں جان بچانے کے لیے حرام چیزوں کے استعمال کی بھی اجازت دے دی ہے لحم خنزیر، مُردار، بہتا خون اور غیر اللہ کے نام کے چڑھاوے کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا :

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔

[اگر حالتِ اضطرار پیدا ہو جائے تو ان حرام چیزوں کو جان بچانے کے لیے استعمال کرنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اس پر رغبت نہ ہو اور زائد از ضرورت نہ ہو]

غلط نہ ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ زندگی ایک ایسی نعمت ہے جو خود اسلام کی بقا کے لیے لازمی ہے۔ اگر زندگی ہی نہ رہے تو اسلام کا حامل کون ہو گا؟ زندگی ہی کو خوشگوار بنانے کے لیے اسلام آیا ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے زندگی سے ناحق کھیلنا دراصل اجتماعِ ضدین کی ایک ناممکن الحصول کوشش ہے۔

بلاشبہ زندگی کی اقدار زندگی کو سنوارنے کے لیے اور اخلاق کو بلند کرنے کے لیے ہیں لیکن زندگی کا وجود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب پر مقدم ہے۔ زندگی ہوگی تو زندگی کی اقدار بھی ہوں گی۔ زندگی ہوگی تو اخلاق بھی سنوریں گے لیکن اگر زندگی ہی ختم کر دی جائے تو اور باتیں کہاں وجود پذیر ہو سکیں گی؟ گراں فروشی ہو یا احتکار، ملاوٹ ہو یا اکتناز۔ یہ سب باتیں اسی لیے حرام ہیں کہ ان سے انسانی زندگی براہِ راست متاثر ہوتی ہے۔

ہر اخلاقی و مادی جرم اسی لیے جرم ہے کہ اس سے انسانی زندگی کی خوشگواریاں مجروح ہوتی ہیں۔

پس ہمارے خیال میں آج ہر قسم کی اصلاحات سے زیادہ ضروری اور سب پر مقدم یہ اصلاح ہے کہ انسانی جان، انسانی خون اور انسانی زندگی کا سچا احترام دلوں میں راسخ کیا جائے۔

علما اس کی تبلیغ کریں۔

واعظ اپنے مواعظ کا مرکزی نقطہ اسی کو قرار دیں۔

اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سب سے زیادہ اسی پر زور دیں۔

غذا فروش اور دوا فروش ملاوٹ سے باز رکھے جائیں۔

جاگیردار کاشت کاروں کی جانوں کو اپنی جانوں کی طرح عزیز رکھیں۔

کارخانے دار مزدوروں اور محنت کشوں کی زندگی کو اپنی زندگی کی طرح واجب الاحترام سمجھیں۔

لیڈر اپنے طرزِ عمل سے خون کا احترام کریں۔

دولت مند غریبوں کی جانوں کو بے قیمت نہ سمجھیں۔

حکام اپنے ماتحتوں اور اپنی رعایا کی جانوں کا احترام اپنی جانوں کی طرح کریں۔

غرض ہر فرد دوسرے تمام افراد کی جانوں کو اپنی جان کی طرح واجب الاحترام سمجھے۔ دوسروں کی جان لینے کی بجائے دوسروں کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا سیکھے۔

ہم جب دوسرے انسان کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتے تو اس کی آبرو اور مال تو جان سے کم درجے کی چیزیں ہیں۔

صرف ایک ہی صورت ہے جب اپنا خون دینا یا دوسرے کا خون بہانا ناجائز بلکہ فرض اور اعلیٰ عبادت بن جاتا ہے۔ یعنی جب ملک و قوم یا دین و وطن کے تحفظ و بقا کے لیے دشمن سے مقابلہ کرنا پڑے۔

اسی کو جذبۂ جہاد کہتے ہیں۔

اسلام نے نہ صرف انفرادی طور پر انسانی خون کا احترام کیا ہے بلکہ اجتماعی طور پر بھی انسانی خون کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ احترام کیا ہے ۔ یہ احترام نہ کرنے کا نتیجہ بعض اوقات اجتماعی فتنہ و فساد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور فتنہ پرور عناصر معمولی معمولی باتوں کو بھی فساد برپا کرنے کا بہانہ بنا لیتے ہیں ۔ اس کی ایک المناک مثال وہ فساد ہے جو گزشتہ دنوں زبان کے مسئلہ پر دیکھنے میں آیا ۔ اگر انسانی جان و مال اور عزت و ناموس کا احترام کرنے کا اسلامی سبق ہم نے فراموش نہ کر دیا ہوتا تو ایسے واقعات ہرگز پیش نہ آتے ۔

ہم نے شاید کبھی یہ غور نہیں کیا کہ زبان ہمیشہ اپنی داخلی سُقم کی وجہ سے مُردہ یا معدوم ہوتی ہے اور اپنے اندرونی زور و قوت ، یا حُسن و خوبی کی وجہ سے زندہ و باقی رہتی ہے ، یا غالب آجاتی ہے ۔ زبان نہ کسی کے مٹائے مٹ سکتی ہے نہ کسی کے پھیلائے پھیل سکتی ہے ۔ زبانیں تو دراصل قدرت کی وہ نشانیاں ہیں جن میں انسان کا اپنا دخل برائے نام ہی ہوتا ہے ۔ ان آیات کو قدرت خود وجود میں لاتی ہے اور خود ہی ان کی شکلیں بدلتی ہے اور خود ہی ان کو باقی رکھتی یا مٹاتی ہے ۔ ارشاد باری ہے :

ومن اٰیٰتہٖ خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم (۳۰ : ۲۲)

(آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا اللہ کی نشانیاں ہیں)

سوال یہ ہے کہ آسمانوں یا زمین کو مٹانے کی کوشش کوئی قابلِ ستائش کام ہے ؟ کیا دن اور رات کے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کوئی فعل محمود ہے ؟ اور اگر کوئی زرد فام شخص کسی کو صرف اس لیے قتل کر دے کہ یہ سیاہ فام ، یا سانولا ، یا گورا کیوں ہے اور ہماری طرح زرد فام کیوں نہیں ، تو کیا آپ اس اقدام کو درست سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے ؟ قرآن نے رنگتوں سے پہلے زبانوں کا ذکر فرمایا ہے ۔ پس اگر رنگتوں کے اختلاف کی بنا پر کسی کو مارنا درست نہیں تو زبان کے اختلاف پر خونریزی اور لُوٹ مار کرنا جواز کی کس قسم میں آسکتا ہے ؟ کیا انگریز قوم اور انگریزی زبان کے دو صد سالہ تسلط کے باوجود پشتو ، بلوچی ، سندھی ، پنجابی زبانیں ختم ہو گئیں ؟ باوجود اس کے کہ بھارت میں اردو کو ختم کرنے کا ہر جتن کیا گیا ، کیا وہاں اردو ختم ہو گئی ؟ پاکستان میں چوبیس سال تک اُردو کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا گیا لیکن کیا یہاں اُردو زبان مردہ ہو کر معدوم ہو گئی ؟ اگر ہم رنگ نہ ہونے کی وجہ سے ہم کسی سے تعصب رکھنا درست نہیں سمجھتے تو ہم زبان نہ ہونے کی صورت میں کسی کے خلاف تعصب پھیلانا کب روا ہو سکتا ہے ؟

یہاں ایک عجیب اسلامی نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ خالص اسلامی ریاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اندر غیر مسلم ذمی رعایا کی جان، مال، آبرو، مذہب اور معبد سب محفوظ رہتے ہیں۔ یہاں بتوں کی پوجا ہوتی رہے۔ صلیب کے جلوس نکلتے رہیں۔ شرک وکفر کے سارے مراسم ادا ہوتے رہیں۔ اسلامی ریاست یہ سب کچھ گوارا کرلیتی ہے اور کسی کے مذہبی، ثقافتی اور قومی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ ریاست صرف وہاں مداخلت کرتی ہے جہاں کسی دوسرے فرد کی جان، مال، آبرو، مذہب اور معبد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے یا نظمِ ریاست کو مجروح کیا جائے یا ریاست کی وفاداری کو مشکوک کر دیا جائے۔ باغیانہ سرگرمی ہو یا دشمنوں سے ساز باز ہو یا قانون شکنی سے ابتری پھیلائی جائے۔ غرض اس قسم کی کوئی حرکت کی جائے تو اس میں مسلم وغیر مسلم کا فرق کیے بغیر ریاست کی دار وگیر حرکت میں آجاتی ہے۔ گویا اسلامی ریاست کوئی ایسی حرکت گوارا نہیں کرتی جو ملکی معاشرے کے سکون و اطمینان اور خوشگوار زندگی کو پراگندہ کرے۔ اگر معاشرے کا یہ سکون قائم رہے تو اسلامی ریاست مذہب، نسل، رنگ، پیشے، ثقافت، رسم و رواج وغیرہ کے فرق کو خاطر میں نہیں لاتی۔ وہ مشرکانہ رسوم کے وجود کو بھی اپنے دامن میں جگہ دینے سے انکار نہیں کرتی۔ سب کو برابر کے شہری حقوق دیتی ہے۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم فقط زبان کے اختلاف کو بھی گوارا نہیں کرسکتے۔ ہمارا ملک ایک، دین ایک، اللہ ایک، کعبہ ایک، قرآن ایک، اسلام ایک لیکن یہ سارے "ایکوں" کو بالائے طاق رکھ کر صرف زبان کے مسئلے کو ہر "ایکے" پر اتنا غالب کر دیتے ہیں کہ تمام دوسرے "ایکے" دب کر رہ جاتے ہیں۔ زبانوں کو ہم شاید آیاتِ الٰہی نہیں سمجھتے۔ لطف یہ ہے کہ انگریزی جیسی بدیسی زبان کو صدیوں سے بخوشی گوارا کیے ہوئے ہیں لیکن اپنے دیس کی قومی یا علاقائی زبان سے اتنی نفرت رکھتے ہیں کہ اس کے لیے خونریزی، لوٹ مار، آتش زنی اور بے آبروئی کو بھی قابلِ فخر کارنامہ سمجھتے ہیں جس قرآن نے مسلمان بھائی کی غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہو اس کی نگاہ میں محض زبان کے اختلاف پر خون بہانا کتنا بڑا جرم ہوگا۔ اور خونریزی کے ساتھ لوٹ مار، بے آبروئی اور آتش زنی کتنی بڑی معصیت ہوگی۔ اس کا اندازہ ہر صاحبِ عقل کرسکتا ہے ——— اس وقت ہر اصلاح سے زیادہ اخلاقی اصلاح مطلوب ہے۔ عوامی سطح پر بھی اور حکومتی سطح پر بھی۔ اس اصلاح کے بغیر ساری اصلاحات بے اثر رہیں گی۔ اخلاقی اصلاح ہی سے انسانی جان، مال اور آبرو کا احترام پیدا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا محور و مرکز اخلاقی تربیت ہی ہے اور اخلاقی درستی کے بغیر تمام عبادتیں بھی بے مقصد ہو جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com